نئی نسل کی تربیت میں ماں کا کردار

عفّان احمد کامل»

کیا امّت کے اندر موجود وہ تمام تر صلاحیتیں جو اسے دوسرے اقوام سے ممیّز کرتی تھیں ناپید ہو چکی ہیں؟ زمین بنجر ہو گئی ہے یا آپ پاشی کا نظام منتشر ہو گیا ہے؟ مقاصد و منازل جدا ہو گئے بڑی بات نہیں کلمہِ حق کے معنیٰ و مفہوم بھی محدود و محصور ہو گئے۔ قرآن و احادیث مبارکہ کو فرقہ بندی اور عصبیتِ جاہلیہ کی بنیاد پر مختص کیا جانے لگا۔ قرآنی اصطلاحات کے مفاہیم قرآنی لغت کے بجائے تنظیمی، تحریکی، مسلکی اور تکنیکی لغات سے سمجھی اور سیکھی جانے لگی۔ خلافت (1923) میں ختم ہو تو تو امّت نے در در کی ٹھوکریں کھائیں باطل کے فضلات کو تبرّکات اور شفا بخش سمجھ بیٹھی۔ نونہال قرآنی قصص، انبیاء و صحابہ کے واقعات کی جگہ فلمی نغموں اور فلمی بھانڈوں کے واہیات قصّے و نغموں سے نیند کے آغوش میں جانے لگے۔ صنفِ نازک نے کردارِ رابعہ بصرہ اور فکرِ فاطمہ و عائشہ کو خیر باد کہا آزادی کے نام پر رقّاصوں اور طوائفوں کی نقل میں انسانیت و نسوانیت کی حدود کو پامال کیا، ماؤں نے اندازِ امّ عمارہ اور طرزِ امّ حارثہ چھوڑا جدیدیت و مادّیت سے اس قدر متحرّ ہوئیں کہ نونہالوں کو اپنے جگر کا ٹکڑا سمجھنے کی جگہ مستی بھری زندگی میں خلل واقع کرنے والی شے ء سمجھ کر کرائے کی دایہ (چائلڈ کیئر سینٹیر) کے حوالہ کر دیا۔

کہا جاتا ہے بچّہ ماں کے افکار و خیالات سے جلد متاثّر ہوتا ہے، ماں کی گود پہلی درسگاہ قرار پائی، بہنوں کے اندر محبّت و شفقت کا سمندر پایا جاتا ہے، بھائیوں کے اندر ہر طرح کی قربانیوں کا جذبہ پایا جاتا ہے، مگر یہ تمام رشتے اپنی حیثیت کھو چکے معلوم ہوتے ہیں۔ آج کی ماؤں کی خواہش ہے ہمارا بچّہ بڑے بڑے عہدے و مناصب پر فائز ہو، خوب پیسہ، نام و نمود، شہرت و عزّت پائے لیکن کیسی تھیں وہ مائیں جن کی خواہش مزید اولاد کی محض اللہ کے دین کی سربلندی، تبلیغ و اشاعت کے جذبہ کے تحت ہوتی تھی۔ جن کی کوکھ سے ایسے ایسے سپوت ملے جن کی بدولت آج اسلام و انسانیت نہ صرف ہم تک پہنچا بلکہ آج اس منافقانہ اور مغلوبانہ دور میں بھی جو کچھ تروتازگی و پاکیزگی پائی جارہی ہے انہی کی قربانیوں کا نتیجہ ہے۔

موجودہ دور میں بچّے (ایک یا بس دو) وبالِ جان اس وجہ کر ہو گئے کہ والدین نے اپنے دلوں میں خوفِ خدا کی جگہ خوفِ فاقہ، اللہ پر توکل کی جگہ مال و وسائل پر توکل، اخروی زندگی کو لافانی سمجھنے کی جگہ اسی دنیا کی زندگی کو ہمیشہ ہمیش کی سمجھ بیٹھے لٰہذا! مقام و مرتبہ، شرف و عزّت، کامیابی و کامرانی اور مسابقت کے مفاہیم و مطالب تبدیل ہو گئے۔ دنیا اور اسکی چکا چوندھ ہی

ہماری توجّہ کا اہم اور اصل مرکز ہو گیا چنانچہ اب ہم ہیں اور ہماری دنیوی خواہشات، ایک دوڑ اور ہوڑ مچی ہے مسابقت کی، ہر انسان کسی بھی حال میں مطمئن نہیں ہے، ایک دوسرے سے آگے بڑھ نکلنے کی للک نے ایک دوسرے کے خلاف نفرت کی بے شمار دیواریں بے وجہ اور بے مطلب کی کھڑی کرر کھی ہیں۔ اور یہی کیفیت وصورتِ حال دنیا کے مختلف ممالک کے درمیان بھی ہے۔ لوگ اتنے مگن ہو گئے ہیں کہ نہ رکنے والا موت کا سلسلہ بھی انہیں اپنی طرف متوجّہ نہیں کر پارہا ہے۔ عمر کے آخری ایّام بھی ان فانی خواہشات سے توجّہ موت ور خصت کی طرف مبذول نہیں کرا پار ہے۔ انسان کا دل اس قدر اس فانی دنیا میں رچ بس گیا ہے کہ روز قبرستان وشمشان اقرباء ودوست یا کسی جاننے والے کو دفن کرنے کے باوجود موت جیسی حقیقت کو عملاً تسلیم کرنے کے لئے آمادہ نہیں، اور ان سب کے باوجود اپنی اولادوں کو بھی اسی مسابقت میں اور متحرّک وتیز رفتاری سے دوڑ لگانے کی ہر دن تلقین ونصیحت کر رہے ہیں اور پیچھے رہ جانے کا خوف بھی دلا رہے ہیں۔ جوں جوں دوا کی مرض بڑھتا گیا۔۔ اللہ رحم کرے۔

لوگ اللہ کی راہ پر چلنا اور والدین اپنے جگر پارے کو اسی نہج پر تربیت کرنے کو تہہِ دل سے تیّار ہو جائیں تو مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔ خلقِ خدا کی مدد کا مخلصانہ جذبہ، پوری کائنات کے لئے رحیم وکریم بننے کی تربیت اور اسکی عملاً کوشش کی طرف پیش قدمی، اور اس دنیا کو انسانیت کے مخلصانہ درد کے ساتھ محبّت وشفقت کے انداز سے بے لوث برتنے (گزارنے) کی تعلیم نئی نسل کو دینی ہو گی۔ جہاں کسی طرح کی کوئی تفریق گوارا نہ ہو البتّہ ترجیحات کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

قرآنی فکر کے تحت دنیا کی کامیابی وکامرانی شکم بھر (بلکہ گلے بھر) کھانے، اونچی عمارتوں میں سکون کی نیند سونے، لمبی گاڑیوں میں قدرتی مناظر کی سیر کو نکلنے، دنیا میں دنیا پرستوں کی طرف سے بڑے بڑے القاب سے نوازے جانے اور جس مادّی نعمت کی ضرورت ہو موجود ہو جانے سے قطعی مراد نہیں ہے۔ جبکہ دوسری طرف فساد فی الارض برپا ہو، باطل چہار جانب بلا خوف مٹر گشتی کر رہا ہو، کڑوڑوں انسان زندہ رہنے کے لئے کھانے کو ترس رہے ہوں، کڑوڑوں انسانوں کو سر ڈھانپنے کا ٹھکانہ میسّر نہ ہو، انسانوں کے گھروں کو نذرِ آتش کیا جارہا ہو، عصمت دری کے واقعات عام ہو گئے ہوں، عبادت گاہوں کی بے حرمتی معمول بن گئی ہو، انسانی جان کی قیمت کیڑے مکوڑوں سے بھی کم کر کے لگائی جانے لگی ہو، انسان کی خود کی آزادی پر قدغن لگائے جارہے ہوں۔۔۔ اس آہ وفغاں کے ماحول میں، اس چیخ وپکار میں ہمارا آرام وآسائش، خود کے شکم کو بھر کر سکون بھری نیند۔۔۔ سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔ ہمارے اندر کوئی اضطراب نہیں۔۔ ھماری موجودگی۔۔ زندگی کی جگہ مردہ ہونے کا ثبوت دیتی ہے۔ ایسے نازک وقت میں ہم اپنی نئی نسل کو کس نہج پر تعمیر کر رہے ہیں یہ سوال بڑا ہی اہم ہو جاتا ہے۔

ہمیں نئی نسل کی ہمہ تن تربیت کے لئے اس نئے اور ترقّی یافتہ دور میں بھی اسی طریقے کو ہی اپنانا ہو گا جسے آج سے تقریباً پندرہ سو سال پہلے اپنایا گیا تھا۔ دنیا خواہ کتنی ہی بلندیوں تک پہنچ جائے، اجتہاد کا معیار کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو جائے،۔۔۔ تربیت کا جو انداز ماں کی گود، ماں کے لوری کے بول اور والدین کے سنائے ہوئے قصصِ قرآن، انبیاو صحابہِ کرام فراہم کرتے ہیں وہ موجودہ دور کا ترقّی یافتہ ڈیجیٹل نظام قطعی فراہم نہیں کر سکتا ہے۔ جہاں ایک طرف یہ ضروری ہے کہ والدین انبیاء و صحابہ کے قصص کا سہارا لیں وہیں یہ بات بھی انتہائی ضروری ہے کہ والدین دنیوی ذہنیت سے خود کو پاک کریں تا کہ لوری کے بول اور گود کی لمس کی تاثیر قرآنی وانسانی ہو سکے، روزِ اوّل سے بچّوں کے ذہن میں ڈاکٹر، انجینیر، کلکٹر، وکیل وغیرہ عہدے کی اہمیت بٹھانے کے بجائے ایک اچّھا انسان، رحمدل شہری، بہترین پڑوسی، باادب، غریب پرور، نیک و صالح وغیرہ جیسی صفات سے متّصف ہونے کی عملاً تعلیم دی جائے۔

آج کے اس پر فتن دور میں امّت کو سب سے زیادہ مخلص و ایماندار شخص کی ضرورت ہے، اخلاص وللّٰہیت سے بھرے دِل کی، انسانیت سے بھرے جذبے اور محض اللہ کی خاطر کئے گئے عمل کی ضرورت ہے، جس تعلق سے امّت میں خلاء دن بدن بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ ایمان کے تعلق سے حدیثِ مبارکہ کا مفہوم ہے ''سب سے اوّل درجے کا ایمان یہ ہے کہ انسان غلط کام ہوتا ہوا دیکھے تو بزورِ قوّت روک دے، دوسرے درجے کا ایمان یہ ہے کہ انسان زبان و قلم سے روکنے کی کوشش کرے اور سب سے نچلے درجے کا ایمان یہ ہے کہ اس عملِ بد کے تئیں دل میں کڑھن اور گھٹن محسوس کرے، دل میں اسے بدلنے اور روکنے کی تڑپ اور بے چینی پائی جائے'' ۔ رسولِ اکرم ﷺ کی یہ حدیث اپنے ایمان کو تولنے کا بہترین پیمانہ ہے۔ آج حالت دل کی یہ ہے کہ دل ہر کام پر ہر وقت مطمئن ہی رہنا چاہتا ہے۔

امّت مسلک و مکتب میں تقسیم ہے، ہر کسی کے گروہی فکر و عمل نے عصبیتِ جاہلیہ کی شکل اختیار کر رکھی ہے، قرآن و احادیث کو عملاً بالائے طاق رکھ کر انسانی فقہ و اصول پر بغیر تفقہ کے عمل آوری کی ضد ہر گروہ نے اختیار کر رکھی ہے۔ اتّحاد کی مستقل کوششیں بھی ہوتی رہتی ہیں لیکن ہر کوشش کا نتیجہ ایک نئے اختلاف کی شکل میں اجاگر ہوتا ہے یا محض چند ''ڈیسک ٹاک'' تک محدود رہتا ہے۔ مسئلہ دن بدن گنجلک اور پیچیدہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔ یوں تو وجوہات کئی ہیں۔ بنیادی مسئلہ کو نظر انداز کیا جا رہا ہے یا پھر ہر گروہ اپنے ہی انداز سے قیادت کرنے کی سوچ رہا ہے۔ ایک بڑا مسئلہ نئی نسل کی تربیت کا ہے تا کہ صالح و مخلص افراد شامل ہو سکیں۔

جس کے اندر انقلابی تبدیلی کا جذبہ ہو، جو مسائل میں حل تلاش کرتے وقت خوفِ الٰہی سے لرزتے و کانپتے ہوں، جو قرآن پر مکمل عمل کا پابند ہوں اس میں اپنے لطف کے اعتبار سے اختصاص نہ کریں، جو پوری احادیثِ مبارکہ کو نظر کے سامنے رکھتے ہوں جہاں اصلاحِ معاشرہ اور دعوتِ دین کے ساتھ ساتھ قیامت و آخرت، دجّال و اختتامِ دنیا (دورِ فتن) کی احادیث بھی انکے سامنے ہوں۔ جہاں مسواک کرنا، میٹھا کھانا، عطر لگانا، اللہ کی نعمتوں کا اظہار کرنا، ہنس کر بات کرنا جیسی سنّتیں یاد رہیں وہیں فاقہ کرنا، شکم بھر کھانا نہ کھانا، پیروں میں چھالے پڑ جانا اور پیروں کا پھول جانا، جسم پر چٹائی کے نشان پڑ جانا، راتوں کو اللہ کے آگے گڑگڑانا، کبھی روزہ کبھی افطار کرنا، پڑوسیوں کو خالی پیٹ نہ سونے دینا، جمع کرنے کے بجائے تقسیم کرنا، فرج میں رکھنے کے بجائے ضرورت مندوں تک پہنچانا، ایک انسان پر دوسرے انسان کے حقوق، ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے حقوق، اور سب سے بڑھ کر اپنی ذات کو یعنی خود کو (اپنی شخصیت کو) اہمیت کا مرکز نہ بنانا جیسی سنّتِ مبارکہ بھی یاد رہیں۔

ایسی نسل کی تعمیر میں والدین ہی اہم کردار ادا کر سکتے ہیں بلخصوص مائیں۔ امّت میں موجود مائیں اُمت کی اصل ماؤں سے استفادہ کریں، انکی زندگیوں کا بغور مطالعہ کریں۔ بی بی خدیجہ، بی بی عائشہ، بی بی فاطمہ، بی بی اسماء، بی بی سمیّہ، بی بی امّ ورقہ، بی بی عفرا، بی بی امّ حارثہ رضی اللہ عنہا وغیرہ۔۔۔ بے شمار ایسی مائیں ھیں، واقعات سے تاریخ بھری پڑی ہے، ضرورت ہے رجوع کرنے کی، سبق لینے کی اور مخلصانہ کوشش کی۔

بڑا تضاد ہے امّت کی اصل ماؤں میں اور موجودہ ماؤں میں، اسباب خواہ کچھ بھی ہوں ہم کیسے تصوّر کر لیتے ہیں کہ ایسی گود میں پرورش پائے ہوئے بچّے جہاں حلال و حرام غذا کی اہمیت کا بھی اندازہ نہ ہو (جو کہ پورے جسم و روح کی اصل و بنیاد ہے، اسکے بغیر کسی بھی اچّھے کا تصوّر ناممکن ہے)، جو دنیا کی حقیقی کامیابی سے آشنا نہ ہو، جو عزّت و منزلت، شرافت و رذالت کے معیار سے واقف نہ ہو، جو ایمانی حلاوت جیسی نعمت سے لطف اندوز نہ ہوا ہو، جو محبّت و شفقت اور رحم دلی کے مفہوم سے واقف نہ ہو، جسے فساد فی الارض اور امن و امان کے معنٰی و مطالب میں فرق کرنا نہ آرہا ہو۔۔۔ وہ کسی پاکیزہ معاشرہ (جہاں حقوق اللہ اور حقوق العباد کا پورا خیال رکھا جاتا ہو) کی تشکیل میں کوئی کارآمد کردار ادا کر پائے گا؟ یہ خیال بعید از حقعقت ہے۔ اس طریقے سے کوئی اصلاحی معاشرہ نہ وجود میں آیا ہے اور نہ آسکتا ہے۔

جب تک انہی اسلامی خطوط پر جس کی ہر شق قرآنی اور احادیثِ رسول اکرم ﷺ کی روشنی میں ہو تربیت کا آغاز نہیں ہوتا پوری نسل یوں ہی پر فتن وادیوں میں سیر کرتی رہے گی۔ایجاد واجتہاد کرتی رہے گی، بلا تفریق دینی و غیر دینی سارے مسلمان ایک جیسے ہو جائینگے، دینی طبقہ چند دینی رسومات، شناخت اور اصطلاحات کے ساتھ موجود رہے گا اور غیر دینی طبقہ ان اجزاء سے خالی گرچہ کہ عمل میں کوئی اختلاف نہیں دکھے گا۔جو مسائل خالص دنیوی یا سیاسی پارٹیز میں ہوں گی وہی دینی جماعتوں میں بھی موجود ہو نگی، جس طریقے سے دوسری جگہوں پر رسّہ کشی جیسا ماحول رہتا ہے ویسا ہی ماحول دینی جماعتوں میں بھی رہے گا۔پھر کسی اصلاح یا اجتہاد کی گنجائش نہیں رہے گی بلکہ دائمی تباہی ہی مقدّر بن جائے گی۔ اللہ خیر کا معاملہ کرے اور ہم سب کا خاتمہ ایمان پر کرے۔۔آمین۔